eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

ڈاکٹر ثمینہ گُل
لیکچرار صدر شعبہ اردو یونی ورسٹی آف لاہور سرگودھا کیمپس

Dr. Samina Gul
Lecturer Head of Urdu Department University of Lahore Sargodha campus

اردو سفر نامہ ابتدائی خدوخال

URDU TRAVELOGUE EARLY FEATURES

ABSTRACT

In the history of Urdu literature, Deccani literature has a special feature in the development of Masnavi's writing. "Kadam Rao Padm Rao" by Fakhruddin Nizami, "No Sar Har" by Ashraf Bayabani, "Ali Nama" Nusrati, "Khawar Nama" by Rostami, "Yusuf and Zalekha" by Hashemi gave the first impressions to Masnavi. In literature, perfection was considered art and Masnavi writing was considered to be the perfect art in poetry and literature.

Bahmani era, Adil Shahi era, Mughal Empire, all periods had a profound impact on Deccani literature. In Urdu literature, Wali Deccani is considered to be the first Sahib Dewan poet. Wali's literary works are multifaceted, his poetry highlights the customs and behavioral attributes of the era. The era of Wali Deccani was during the reign of Alamgir and there was political chaos and social and religious disturbances in Gujarat. But Wali Kept the cultural phenomena of India alive. Wali's main characteristic was that he strengthened the linguistic structure of the south and the north. Wali travelled to Gujarat, Ahmedabad, and Surat and described his journey in his Masnavis. Wali came to Delhi twice in 1700 during Aurangzeb's time and met Shah Saadullah Gulshan. The second journey took place during the reign of Muhammad Shah in 1722. The poetry of Vali Deccani traveled from South India to North India, and Urdu poetry got a new dimension. The themes of the ghazal changed. Travel took a special place in his poetries. Wali also used insight and vision while comparing the tradition of Deccani language and literature with the poetic mood of Delhi. And by adopting the new trend, he became the pioneer of the new tradition in Urdu history and literature. Wali is not only the pioneer of the modern tradition in poetic tradition, but the tradition of the poetic travelogue (Manzoom Safarnama) cannot be complete until Wali's poetic travelogue "Surat" is mentioned. He created forty-seven verses of this poem mentioning travel. The first condition for writing a travelogue is travel. For a travelogue, there is a continuity of events in

addition to observational insights and scenery. Masnavi "Surat" has all the characteristics of a travelogue.

KEYWORDS

Travelogue, verse, Deccani, Urdu Travelogues, Masnavi

اُردو ادب میں سفر نامہ داستان گوئی کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے، جس طرح داستان گوئی میں طلسماتی اور ماورائی دنیا کی سیر کراتی ہے، اسی طرح سفر نامہ میں بھی ان دیکھے حیرت انگیز مقامات کو بیان کیا جاتا ہے۔ داستانی سفر کی بنیاد تخیل ہے، جس کا جتنا زیادہ مضبوط تخیل ہو گا اتنا ہی داستانی سفر دلچسپ ہو گا۔ جب کہ حقیقی سفر کی بنیاد مشاہدہ ہے۔ حقیقی سفر میں جتنا مضبوط مشاہدہ ہو گا وہ اپنا تجربہ اُتنا ہی اچھا بیان کر سکے گا۔ مناظر کی عکاسی کے لیے خارجیت کو داخلیت میں ضم کر کے وہ تمام گزرنے والے یا پیش آنے والے واقعات و حالات کو اپنے اندر اتار لیتا ہے اور پھر وہ اپنی باطن کی آنکھ سے ظاہر کی آنکھ پر راز منکشف کرتا ہے۔ سفر نامہ پڑھنے سے انداز ہو جاتا ہے کہ لکھنے والے کی مشاہداتی نظر کتنی تیز ہے۔ سفر نامے کا بنیادی مقصد اپنے تجربات و مشاہدات کو دوسروں تک پہنچانا ہی نہیں ہے بلکہ سفر نامہ قاری کو حیرتوں کے جہاں کی سیر بھی کراتا ہے۔ ابتداء میں سفر نامے کا مقصد جس ملک یا مقام کا سفر کیا جائے اس کے بارے میں جغرافیائی اور تاریخی معلومات فراہم کرنا تھا، یا پھر ان مقامات کی مسافت سے پیدا ہونے والی حیرت کا اظہار، چنانچہ ابتدائی دور کے سفر نامے اسی نوعیت کے ہوتے تھے اور لوگ ان سفر ناموں کو بہت شوق سے پڑھتے تھے۔ شبلی نعمانی کا سفر نامہ "مصر و روم و شام" سر سید احمد خان کا "مسافران لندن" قدیم سفر ناموں کی اعلیٰ مثال ہیں۔ اس لیے اس دور میں ذرائع رسل و رسائل اور مواصلات و ابلاغ نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ لوگ مہینوں بلکہ برسوں ملکوں کا سفر طے کرتے تھے۔ اس دور کے لوگ دوسرے علاقوں کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے تھے اس لیے لوگ تاریخی اور جغرافیائی معلومات کے لیے ان سفر ناموں کا بہت شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ سفر نامہ واحد صنف ہے جس میں تمام ادبی اصناف کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، اسی لیے اس کو ام الاصناف کہا گیا ہے۔ سفر نامہ ایسی روداد ہے، جس میں سفر نامہ نگار خود ہی مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ سفر نامہ نگار ایک ایسی کیفیت سے گزر رہا ہوتا ہے جہاں وہ اپنے باطن اور خارج کو یکجا کر کے مشاہداتی روداد بنا دیتا ہے۔ اب قارئین نے ان سفر ناموں کو پڑھنا زیادہ پسند کیا جن کے سفر ناموں میں خارجی حقائق اور مشاہدات کی بہ نسبت نجی تجربات اور داخلی تاثرات زیادہ ہوتے ہیں، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید سفر ناموں میں خارجیت کی نسبت داخلیت کو زیادہ پسند کیا گیا ہے۔ سفر نامے میں اسلوب اور طریق اظہار کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر کوئی صاحب طرز مصنف سفر نامہ لکھتا ہے تو اپنے طرز بیان کے باعث سفر نامے میں ادبی شان پیدا کر دیتا ہے، اور قاری اس کی زبان اور اسلوب سے لطف اندوز ہوتا ہے اس کے برعکس اگر سفر نامہ لکھنے والا اس خوبی سے نابلد ہو تو پھر ٹھوس زبان و بیان کے علاوہ دوسری کوئی بات پیدا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی

تخلیقی مصنف خصوصاً افسانہ نگار یا طنز و مزاح نگار سفر نامہ لکھتا ہے تو اس کے سفر نامے میں صرف زبان و بیان کی چاشنی ہوتی ہے بلکہ بصیرت اور بصارت بھی، اس ضمن میں ابراہیم جلیس، شفیق الرحمن، ابن انشا اور ہندوستان کے مجتبیٰ حسین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک سفر نامہ عالمانہ اور دانشورانہ بھی ہوتا ہے، یعنی عالم و فاضل شخص جب کسی ملک کی سیاحت کرتا ہے تو اس ملک کے ثقافتی اور تہذیبی مراکز کو اپنی سیاحت کے لیے منتخب کرتا ہے، اور ایسی معلومات اور نجی تاثرات کا اظہار کرتا ہے جو، عام سفر ناموں میں عنقا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں احتشام حسین کا سفر نامہ "ساحل اور سمندر" اور وزیر آغا کا سفر نامہ "تین سفر" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ "ساحل اور سمندر" میں احتشام حسین کے مزاج ، سوچ اور فکر کا پتا چلتا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین کا مقام ادب میں مارکسی نقاد کا ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین ان کی پہچان ہیں۔ ترقی پسندی کے حوالے احتشام حسین کے نظریات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، تاہم سفر نامے میں ان کی پہچان "ساحل اور سمندر" سے ہی ہوئی پروفیسر احتشام حسین نے سفر نامہ ڈائری کی تکنیک پہ لکھا اور اپنی نجی تاثرات کو اہمیت دی۔ بہت سے سفر نامے ایسے تحریر ہوئے جن میں معلومات کے ساتھ ساتھ ادبی عنصر بھی نمایاں ہونے لگا سفر ناموں میں ادبیت کی موجودگی نے سفر نامے میں دلچسپی پیدا کی اور نئے رجحان کو تقویت دی۔

حج کا سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جس میں سیاح (سفر نامہ نگار) دوران سفر حج یا سفر سے واپسی پر اپنے مشاہدات، واقعات، تجربات اور قلبی تاثرات کو تحریر کرتا ہے اس سفر نامہ میں تاثراتی پہلو زیادہ ہوتا ہے۔ سفر نامہ نگار کا مذہب سے لگاؤ اور محبت کا تاثر سفر نامے میں نمایاں ہوتا ہے۔ حج کا سفر دراصل اپنے خالق کی پکار پر لبیک کہنے کا سفر ہے، اور یہ انسان کے خالق و مالک سے تعلق کا اظہار ہے۔ اس سفر میں بندہ اپنے خالق کے بلاوے پر لبیک کہتا ہوا اس کے گھر کا سفر کرتا ہے اور وہاں پہنچ کر اس گھر کے رُوبرو اپنی جبین نیاز خم کر کے ہی عبودیت کا اظہار کرتا ہے۔ کعبتہ اللہ اور مقامات حج کے سفر اور اظہار عبودیت کے عمل کے نتیجے میں انسان کا ظاہر و باطن ایک ہو جاتا ہے، وہ اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں کا ازالہ اپنے آنسوؤں سے کرتا ہے جس کے باعث اسے روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے اور ، وہ قربت رب سے آشنا ہو کر اور اپنے اندر انوار کی کرن اور روحانیت کو محسوس کرتا ہے۔ رب سے قربت جیسی نعمت آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے، بشر طیکہ زائرین کے لیے صحیح معنوں میں آمادہ ہو، اور اپنی سابقہ زندگی کی کوتاہیوں اور غلطیوں پر نادم و شرمندہ ہو کر ایک نئی زندگی گزارنے کا عزم رکھتا ہو۔ بندہ اپنی اس نیت اور عمل میں جتنا مخلص ہو گا اللہ تعالیٰ سے قربت کی کوشش و انہماک میں اُتنا ہی مضطرب ہو گا۔ حج کے سفر میں بندہ اپنے محبوب آقا سے ملنے کے لیے نہ صرف یہ کہ اس کا دیا ہوا وقت بھرپور طریقہ پر استعمال کرتا ہے بلکہ اس کے لیے وہ اپنا قیمتی اثاثہ حیات بھی صرف کرتا ہے، اور پھر اس کی چاہت، رضا اور محبت میں مشکلات و صعوبات سفر خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت بھی کرتا ہے۔ حج کے سفر نامہ اور عام سفر نامہ کے مابین اگر موازنہ کیا جائے تو، یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عازمین حج عام معنوں میں نہ مسافر ہوتا ہے اور نہ سیاح، بلکہ اس کی حیثیت دونوں سے مختلف زائر

کی ہوتی ہے، البتہ اس میں مسافر اور سیاح دونوں کی صفات ضرور پائی جاتی ہیں مسافر کا ہر قدم نئے جہانوں کی خبر دلاتا ہے۔ اس کی فکر و نظر میں وسعت اور بلندی نمایاں ہو جاتی ہے۔ وہ زندگی کے نشیب و فراز سے گزر کر کندن بن جاتا ہے۔ اس کا دائرہ افکار وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ نئے نئے اشخاص سے ملاقات اسے اپنی خامیوں اور خوبیوں سے آگاہ کرتی ہے۔ ارادۃً سفر بے شمار تجربات و مشاہدات کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنے راستے میں آنے والی تمام مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا ہے اور راہ کی گرد کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ جبکہ جبری اختیار کردہ سفر مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ سفر کی آسانیاں بھی مسافر کو طے کرنی مشکل ہو جاتی ہے

سفر کا آغاز بحری راستے سے ہوا سفر نامے سب سے پہلے بحری سفر کے واقعات روزنامچے اور رہنما کتابوں کی شکل میں لکھے گئے ایسے روزنامچے بحری سفر کے راستوں کی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئے، اور ان روزناچموں اور رہنما کتابوں سے سمتوں کا یقین اور دشوار گزار راستوں ے واقف کرایا جاتا، یہ وجہ سفر ناموں کے مطالعے کا باعث بنی۔ سیاح نے اپنے لئے سفر کو آسان بنایا۔ کچھ سفر نامے حظ اٹھانے کے لئے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں، لیکن ہر سفر نامہ سیاح اپنی تحریر میں اپنے حالات سفر اپنے انداز سے پیش کرتا ہے۔ سب ہی سفر نامے دلچسپ نہیں ہوسکتے۔ کچھ سفر ناموں میں صرف تاریخی معلومات ہوتی ہیں اور کچھ میں صرف جغرافیائی۔ ایسے میں یہ سفر نامے صرف اور صرف معلوماتی دستاویز بن کر رہ جاتے۔ سفر ناموں کی ابتدائی شکل زمانہ قدیم کے باقاعدہ سیاحوں، ابن بطوطہ اور دیگر سیاحوں نے معلوماتی تحریریں میں ملتی ہیں جس میں انہوں نے دوران سفر مختلف ملکوں کے بارے میں تحریر کیں۔ ابن بطوطہ عربی، عجمی اور ترکی ممالک سے ایک خاص نوع کی جذباتی انسیت رکھتا تھا اس نے سب سے پہلے فریضہ حج ادا کیا، اس کے بعد شام، ایران، ماوراء النہر اور افغانستان ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ ہندستان میں اس نے جی کھول کر سفر کیے۔ ساحلی علاقوں میں مدراس، کالی کٹ اور کرناٹک وغیرہ کی خوب سیر کی، وہاں سے دیگر علاقوں میں جانکلا اور چھبیس سال تک زنجیر سفر سے بندھا رہا۔ گھر سے نکلتے وقت اس کی عمر بائیس سال تھی واپس آیا تو جوانی رخصت ہو چکی تھی مگر طویل سفر کے بیش بہا تجربات سے اس کا دامن مالا مال تھا۔

مشرق میں ہندستان اپنی زرخیزی اور شادابی کی وجہ سے ہمیشہ اقوام عالم کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنا رہا۔ ہر ملک کے سیاح نے اس کو اپنی منزل بنایا اور سفر ناموں میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔ سیاحوں کے ان سفر ناموں کی وجہ سے ہندستان کی طلسماتی فضا کے چرچے اتنے عام ہو گئے کہ حکمرانوں کے دلوں میں بھی تجسس جاگ اٹھا اور سرزمین ہند کی کشش نے انہیں اپنی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایشیا اور مشرق کے جن مہم جو بادشاہوں نے اپنے گھوڑوں کا رخ ہندستان کی سمت موڑ دیا تھا وہ بڑے جفاکش، مشکل پسند اور فطری مناظر کے عاشق تھے، وہ ہندستان میں داخل ہوئے تو کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ یہ سرزمین انہیں بہت راس آئی اور یہاں کی مٹی نے ان کے پیر پکڑ لیے۔ اپنی

طبیعت کے اعتبار سے یہ بادشاہ بھی کسی سیاح سے کم نہ تھے، سیر و سیاحت کا بے پایاں شوق رکھتے تھے، وہ ایک ایسے متحرک دریا کی مانند تھے جس کو سکون سے کوئی سروکار نہ تھا، وہ ہندستان آئے تو انہیں وہ جگہ بہت پسند آئی اور انہوں نے اسی کو اپنا وطن بنالیا۔ دیارِ غیر کو وطن بنانا سہل نہیں، لیکن قدرت نے انہیں جن بے شمار خصائل سے نوازا تھا، ان میں دیار غیر میں رہنے کا سلیقہ بھی تھا، وہ یہاں اس طرح رہے جیسے یہ دیار غیر نہیں ان کا آبائی وطن ہے، اس سرزمین نے بھی ان کی خاطر خواہ پذیرائی کی اور ان پر اپنے سارے خزانوں کے در کھول دیے۔ ان کی آمد سے جمود و تعطل کا دور ختم ہوا اور ایک نئی زندگی کی ابتداء ہوئی۔ ان کے علمی اور ادبی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ علماء و فضلاء، شعراء و ادباء کی ایک کثیر تعداد اپنے ہمراہ لے کر آئے، بیشتر علماء نے بھی اس جگہ کو پسند کیا اور اسی کو اپنا وطن بنالیا، اس دور کے علماء اور دوسرے اصحاب نے بہت کم سفر نامے لکھے، البتہ بادشاہوں نے "تزک" لکھنے کی بنیاد ڈالی اور سفری داستانوں کے پس منظر میں اپنی آپ بیتیاں رقم کیں، ان بادشاہوں میں تیمور، بابر اور جہاں گیر کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ ان بادشاہوں نے اپنے عہد کے جملہ حالات اور نظم و نسق کی کیفیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ان کتابوں میں مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر کی "تزک بابری" کو خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ تزک بابری" اگرچہ بنیادی طور پر بابر کی خود نوشت سوانح حیات ہے لیکن اس میں ان کی پوری حیات ایک سفر ہے، اس لیے بالواسطہ طور پر یہ ایک سفر نامہ بھی ہے۔ بابر ایک انتہائی غیور، جفاکش، مہم جو، طاقتور اور جاں باز انسان ہونے کے علاوہ شاعرانہ صفات اور ادبی مزاج بھی رکھتا تھا۔ اس کا سفر نامہ "تزک بابری" اگر ایک طرف اس کی غیرت، خودداری، مہم جوئی اور جاں بازی کی داستان ہے تو دوسرے جانب ناقدین فن نے اس کی تخلیق خصوصیات کو بھی کافی سراہا ہے۔ ہندستان جہاں اس نے اپنی عظمت و سطوت کے چراغ روشن کئے، برسا برس تک "تزک بابری" کے وسیلے سے پہچانا جاتا رہا۔

"تزک بابری" میں شہنشاہ بابر ایک مورخ ایک محقق اور ایک ایسا سفر نامہ نگار نظر آتا ہے جس نے اگرچہ ایک فاتح کی حیثیت سے سفر کیا تھا اور اپنے وطن غرناطہ سے دہلی اور آگرہ تک اس کا انداز فاتحانہ ہے لیکن نئی زمینوں کے قدرتی مناظر نے کئی جگہ اسے مغلوب کر لیا ہے۔ بابر کو ترکی اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا، اس نے فطرت کے ساتھ ساتھ کتابوں کا بھی خوب مطالعہ کیا تھا، لیکن ہندستان میں سنگ تراشوں کی کثرت پر اس کا اظہار تعجب کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔

مارکو پولو نے اپنے سفر کا آغاز اس عمر کیا جو کھیلنے کودنے کی عمر کہلاتی ہے، سیاحت کا شوق اسے ورثے میں ملا تھا، اس کا باپ چین میں قبلائی خان کے دربار سے وابستہ رہ چکا تھا اور اپنے دور کا عظیم سیاح تھا۔ مارکو پولو نے جب اپنے باپ سے مشرق کے سفر کی کہانیاں سنیں تو اس کا دل مچل اٹھا اور اس کے اندر کے سیاح نے انگڑائیاں لینا شروع کر دیں، اس نے اپنے باپ سے سفر پر چلنے کی خواہش کا اظہار کیا، سیاح باپ کے

لیے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ باپ نے اس کی حوصلہ افزائی کی، اس طرح مارکوپولو کے سفر کا آغاز ہوا۔ حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ مضبوط تخیل کی آمیزش سفر نامے میں دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔ جو سفر نامے کی تاریخ نگاری اور جغرافیہ نگاری سے جدا کرتا ہے۔ سفر نامہ نگار جب بھی ملک کی سیر کرتا ہے تو وہاں کا تہذیبی مشاہدہ گہرائی کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ دونوں علاقوں کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید سفر ناموں کا موجد محمود نظامی کو تسلیم کیا جاتا ہے، گرچہ ان سے قبل چند سفر نامہ نگاروں کے یہاں ایسے رجحانات پائے جاتے ہیں، جن میں خواجہ احمد عباس اور آغا محمد اشرف کے نمایاں ہیں۔ محمود نظامی نے اردو سفر نامے کو نئی راہ دکھائی اور فنی و فکری موضوعات میں تنوع آیا:

> "محمود نظامی صدیوں کی تاریخ کو لمحوں میں سمیٹ کر ایک نقطے پر مرکوز کر دیتے ہیں آقا اور غلام کی تقسیم کا عبرت ناک پہلو پہلے دن سے ہی انسانیت پر پنجے گاڑھتا محسوس ہوتا ہے اور مطلق عناق حکمرانوں کا ہر حکم ظلم کی داستان رقم کرتا ہے۔ سلمیٰ اعوان نے بھی بلتستان، بلتی زندگی رہن سہن، گھریلو زندگی، مشاغل، تہوار، کھانے، پہناوے و ملبوسات اور تہذیبی و تمدنی عناصر کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے"17۔ ڈاکٹر وحید قریشی، س۔ن

سفر ناموں کے موضوعات کی توسیع بیگم اختر ریاض الدین اور جلیل الدین عالی نے کی۔ تقسیم ہند کے بعد اردو سفر ناموں کو ہجرت کے علاوہ دیگر موضوعات ملے اس عہد کے لکھاریوں نے تقسیم ہند کے ناخوشگوار واقعات کو سفر ناموں کا حصہ بنایا۔ ایک طرف سے دوسری طرف کوچ کرنے والے شاعر ادیب نے زندگی میں سفاکانہ حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انسانی کرب کو نزدیک سے دیکھا۔ تقسیم ہند نے دونوں ملکوں کے افراد میں سفر کے رجحان میں اضافہ کیا۔ دونوں ملکوں کے افراد پیچھے چھوڑ جانے والے عزیز و اقارب اور چھوڑی ہوئی جائیداد نے دوبارہ ملنے کا سبب پیدا کیا۔ ہجرت کے درد ناک واقعات نے عام انسان کی زندگی کو شدید متاثر کیا۔ ماضی کے زمانوں سے لگاؤ کا اظہار سفر ناموں میں در آیا اس سلسلے میں انتظار حسین کے سفر نامے "زمین اور فلک"، "نئے شہر"، "پرانی بستیاں"، "رام لعل"، "زرد پتوں کی بہار" قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح عبد الماجد دریا آبادی کا سفر نامہ "ڈھائی ہفتہ پاکستان" اور جمیل الدین عالی کا سفر نامہ "دنیا مرے آگے"، "تماشہ مرے آگے" بھی قابل ذکر ہیں اس دور کے لکھے گئے سفر ناموں نے زمان و مکاں کی حدود کو توڑ کر نئے رجحانات کو وسعت دی۔ اسی طرح مستنصر حسین تارڑ کی منظر نگاری نے رومانویت کا تاثر لیا۔ پروین عاطف کے مناظر افسانوی تاثر چھوڑ گئے۔ عطا الحق قاسمی کے سفر ناموں میں وضع داری اور پردہ داری کو ملحوظ رکھا گیا۔ سفر نامے کا موضوع محض انسان اور انسانی زندگی سے متعلق، تاریخی یا جغرافیائی کوائف سفر نامہ نہیں رہا، بلکہ سفر نامہ واحد ایسی تصنیف بن گیا جس میں روزنامچے، خط، مکالمے، خبر، ناول افسانے آپ بیتی اور شاعری کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ لیکن سفر نامے نے تمام اثرات کے باوجود اپنی شناخت برقرار رکھا۔

اردو ادب کی تاریخ میں مثنوی نگاری کے فروغ میں دکنی ادب کو خصوصیت حاصل ہے۔ فخر والدین نظامی کی "کدم راؤ پدم راؤ" اشرف بیابانی کی "نوسر ہار" نصرتی کی مثنوی "علی نامہ" رستمی کی "خاور نامہ" ہاشمی کی "یوسف و زلیخا" نے مثنوی نگاری کو اولین نقوش دیے۔ مثنوی نگاری کو صنفِ شعر وادب میں کمال فن سمجھا جاتا تھا اس عہد کا کوئی بھی شاعر اس وقت تک پایہ اعتبار حاصل نہیں کرپاتا جب تک وہ مثنوی نگاری میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت فراہم نہ کرے۔ محمد ابراہیم صنعتیؔ نے حضرت تمیم انصاری کا واقعہ "قصہ بے نظیر" منظوم کیا۔ یہ ایک طویل مثنوی تھی اس مثنوی نے مقامِ شہرت حاصل کی باقی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس میں بھی سفر کی روداد ہے۔ محمد ابراہیم صنعتیؔ نے کشتی کے سفر کو بیانیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ جس کی تفصیل اس مثنوی میں بیان کی گئی ہے۔

"سبک سیر تھا اس گراں بار کے ساتھ
چلے جان لگے منہ میں منہ کی بات
کہے دیکھ کشتی کو توں سر بسر
کہ یک شہر چلتا ہے پانی اپر
ادک جلد تھا گرچہ بے پارے تھا
سو بے پائے نت آب پیمائے تھا
اگر بیگ جانے کا ہم آپڑے
وہم ساتھ کشتی او کشتی لڑے
پھریں جہاز اوجوں زن باردار
سو یک پیٹ میں اس طفل کئی ہزار(1)

قدیم دکنی ادب میں روز بروز اضافہ ہوا، اہلِ دکن نے ادب پروری کی طویل داستان رقم کی۔ بہمنی عہد، عادل شاہی دور، مغلیہ سلطنت تک تمام ادوار نے دکنی ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اردو ادب میں ولی دکنی کو پہلا صاحب دیوان شاعر مانا جاتا ہے ولی کے ادبی کارنامے کثیر الجہات ہیں ان کی شاعری اس عہد کے رویے اور حیات انسانی کے تقاضوں کو نمایاں کرتی ہے۔ ولی دکنی کا عہد عالمگیر کا عہد تھا۔ اس دور میں گجرات و دکن سیاسی افراتفری، سماجی و مذہبی خلفشار موجود تھا لیکن ہندوستان کی تہذیبی و ثقافتی مظاہر کو ولی نے زندہ رکھا۔ ولی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے جنوب اور شمال کے لسانی ڈھانچے کو مضبوط کیا وہ فارسی، لفظوں کی جگہ زیادہ ہندی لفظوں کو استعمال کرتے انھوں

نے اپنی شاعری میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کو نمایاں کیا۔ ولی نے گجرات، احمد آباد، اور سورت کا سفر کیا۔ اس سفر کا حال ان کی مثنویات سے ملتا ہے۔ سفر کا ذکر ان کے حالات زندگی میں موجود ہے۔ ولی دو مرتبہ دلی آئے 1700ء اورنگ زیب کے زمانے میں شاہ سعد اللہ گلشن سے ملاقات ہوئی دوسرا سفر محمد شاہ کے عہدِ سلطنت میں ہوا اور دوسرا سفر 1722ء میں کیا تھا۔ ولی دکنی کی شاعری نے جنوبی ہند سے شمالی ہند تک سفر کیا تو اردو شاعری کو نئی جہت ملی، غزل کے موضوعات بدلتے گئے۔ ان کے موضوعات میں سفر نے اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

"دلی اور اورنگ آباد جب گھر آنگن بنے تو ولی بھی 1112 / 1700 میں سید ابوالمعانی کے ہمراہ دلی کے سفر پر روانہ ہوا جس میں سعد اللہ شاہ گلشن سے ملاقات ہوئی اور اردو ادب کا وہ تاریخ واقعہ پیش آیا جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زبان و ادب کا رخ بدل دیا ولی کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شمال کی زبان کو دکنی ادب کی طویل روایت کے ساتھ ملا کر ایک کر دیا اور ساتھ ساتھ فارسی رچاوٹ سے اس میں اتنی رنگارنگ آوازیں شامل کر دیں اور امکانات کے نئے سرے اُبھارے کہ آئندہ دو سو سال تک اردو شاعری انہی امکانات کے ستاروں سے روشنی حاصل کرتی رہی اسی لئے ولی آئندہ دو سو سال کی شاعری کے نظام شمسی کا وہ سورج جس کے دائرہ کشش میں اردو شاعری کے سارے سیارے گردش کرتے ہیں"(2)۔

امکانات کی دنیا کو روشن کرنے والے ولی نے شعری موضوعات کو بھی نیا رخ دیا۔ عشق و محبت سے جڑے موضوعات نے حقیقی روپ اختیار کیا اور داخلیت میں خارجیت کے عنصر کو جلا ملی۔ واقعہ نگاری میں تسلسل اور حقیقی بیانیے کو تقویت ملی۔ اس عہد میں سفر نامے کے عناصر نمایاں ہونے لگے۔ ولی دکنی نے عہدِ عالمگیر میں ایک مثنوی لکھی جو ان کے دیوان میں شامل ہے۔ مثنوی "سورت" کے عنوان سے لکھی گئی۔ یہ مثنوی جس کے سنتالیس اشعار ہیں اس میں واقعات کے تسلسل کے علاوہ مناظر کا حقیقی بیان، عمارات و بستی کا ہو بہو نقشہ اور طرز معاشرت کو مشاہداتی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

"عجب شہر میں ہے پُر نور اک شہر
بلاشک ہے وہ جگ میں مقصودِ دہر
رہے مشہور اس کا نام سورت
کہ جاوے جس کو دیکھے سب کدورت"(3)

ولی نے دلی اور آگرہ میں سیر و سیاحت کی غرض سے بھی سفر کیا اور حج بیت کی زیارت کو بھی گئے۔ اور ان کے ساتھ دیگر شعراء نے بھی سفر کیا۔ ولی سے پہلے محمد قلی قطب شاہ، غواصی، وجہی، عبد اللہ قطب شاہ، سلطان، علی عادل شاہ، ہاشمی، نصرتی کے دیوان آ چکے تھے۔ ان تمام شعراء کے یہاں بھی سفر کرنے کے مشاہدات منظوم صورت میں موجود ہیں۔

"ولی صحیح معنوں میں جہاں گرد شاعر تھا۔ تعلیم کے سلسلے میں اس نے احمد آباد کا سفر کیا۔ خاندانی تعلقات اسے اورنگ آباد کا سفر کرنے پر مجبور کرتے رہے۔ علم کی تلاش میں وہ برہان پور نکلا اور ایک مرتبہ اس نے سورت کا سفر بھی کیا سورت شہر کو وہ زندگی بھر نہ بھول سکا اور مسلسل یاد کرتا رہا"(4)

ولی نے سورت شہر کی تہذیب کو تلمیحاتی انداز میں بیان کی ہے۔ سورت میں رہنے والوں کی عادات و اطوار اور علاقے میں بسنے والوں کا نقشہ اس طرح کھینچا:

"اِتی آتش پرستاں کی ہے بستی
سیکھے نمرود واں آتش پرستی
فرنگی اس سے پاتے ہیں کلہ پوش
عدد وہاں گنتی میں ہے بے ہوش
وہاں ساکن آتے ہیں اہل مذہب
کہ گنتی میں نہ آویں ان کے مشرب
بھری ہے سیرت و صورت سوں سورت
ہر ایک صورت ہے وہاں آن مول صورت"(5)۔

ولی نے شہر سورت کے قلعے کی شان و شوکت، باڑا گھاٹ کی رونق، دریائے تاپتی کی خوبصورتی، باغات کی دلفریبی، شہر کے گُل رخوں کے چرچے، تجار کی کثرت، شہر میں قابلِ رشک شخصیات علاقے کی زرخیزی، نظر بازوں کی جولانیوں کا ذکر کیا ہے۔ بقول تبسم کاشمیری ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر عہد ولی میں سورت کی وہی حیثیت تھی جو عہد غالب میں ہندوستان کے مشرقی ساحل پر کلکتہ کی تھی۔ سورت اس دور میں تجارتی بندر گاہ تھا۔ اس میں بین الاقوامی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہاں ہندوستانی اور مغربی خواتین کو آزادی سے گھومنے پھرنے کی اجازت تھی۔ انھوں نے شہر سورت کو "بابِ مکہ" سے موسوم کیا۔ یہاں حسیناؤں کا جھمگٹا انھیں اندر سبھا کی پریوں کی یاد دلاتا

ہے:

"سبھا اندر کی ہے ہر اک قدم میں
چھپا اندر سبھا کو لے عدم میں
کشن کی گوپیاں کی نئیں نسل
اہیں سب گوپیاں وہ نقل یہ اصل
زلف اور مکھ کے طالب سوں پچھو بات
جسے ہر دن ہے عید اور رات شب برات"(6)۔

سورت مثنوی مختصر ہے مگر اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک مثنوی میں یا منظوم سفر نامے کی ضرورت ہیں۔ کسی بھی سفر نامے میں بیان کا تسلسل، حقیقی واقعات، عمارات و بستی کا ہو بہو نقشہ، طرزِ معاشرت کو بیان کیا جاتا ہے۔ ولی نے ان تمام تجربات و مشاہدات کو شعری صورت میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ مثنوی سورت میں ولی نے عالمگیر کے عہد میں پنپنے والی تہذیب اور تمدن کو شعروں کی صورت میں بیان کیا:

"عجب شہروں میں ہے پُر نور اک شہر
بلاشک ہے وہ جگ میں مقصد دہر رہے
مشہور اس کا نام سورت
کہ جاوے جس کے دیکھے سب کدورت"(7)۔

ولی شہر سورت کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے مناظر فطرت کو داخلی کیفیت سے شعروں میں تحریر کرتے ہیں۔ وہ ہندوستان کی مٹی سے ارضی پیکر تراشتے اور تجربات کی روشنی میں اپنی حس جمالیات بیان کرتے ہیں۔ ہندوستانی ماحول سے گہری وابستگی نے ولی کو عہد ہند کا ترجمان بنا دیا۔ انھوں نے جن علاقوں کا سفر کیا ان علاقوں کی خصوصیات کو شعروں میں بیان کیا۔ وہ "کاشی" کے پہاڑوں کا ذکر کرتے ہیں اور "ہند کے خوبان بانمک" کا ذکر ان شعروں کی صورت بیان کرتے ہیں۔

"ہے سبزہ زار حسن سراپا سوادِ ہند
خوبانِ بانمک سوں بھرا ہے سوادِ ہند

عشاق باصفاکے ہے سینے میں یادِ ہند
پیتم کی زلف پیچ دسا مجھ سوادِ ہند" (8)۔

اس قطعہ میں ولی گجرات کے دوستوں کو یاد کیا:

"ہجرت سوں دوستاں کے ہوا جی مرا گداز
عشرت کے پیرہن کوں کیا تار تار دل
ہر آشنا کی یاد کی گرمی سوں تن مینں
ہر دم میں بے قرار ہے مثلِ شرار دل"(9)

ولی نے جب جب گجرات کو چھوڑا۔ اسے پردیس میں گجرات اور اہل گجرات کی یاد نے ستایا۔ ولی پہلے سفر کے بیس برس بعد دوبارہ دہلی آئے جس کا اظہار انھوں نے قطعہ "در فراقِ گجرات" کے نام سے تحریر کیا۔ اس پس منظر میں اہل دہلی ولی کے کلام اور طرزِ کلام میں فارسی کے موضوعات سے جڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ولی کے اشعار میں دیدہ و نادیدہ لسانی و شعری اور فنی و ثقافتی امکانات موجود ہیں۔ جمیل جالبی کے مطابق ولی کی شاعری کے مزاج کی تبدیلی کی وجہ سفر دہلی ہے۔ انھوں نے دہلی کے سفر کے بعد فارسی میں ہونے والی شعری روایت سے انحراف کیا اور جدید شعری رجحان کی طرف توجہ کی۔

> "ولی کی فطرت امتزاجی تھی۔ چوسر کی طرح اوائل عمر میں وہ بھی رائج الوقت دکنی زبان اور اس کی روایت پر چلتا رہا۔ لیکن سفر دہلی کے بعد ایسا چولا بدلا کہ خود اردو ادب کی روایت جدید کا معمارِ اول بن گیا (10)۔

سفر تخلیق کار کے تجربات و مشاہدات میں اضافے کا باعث ہے۔ شعری مزاج میں تبدیلی نئی سوچ اور نئے جہان متعارف کرانے کا سبب بنتا ہے۔ ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جاکر ہی دوسروں کی سوچ اور ان کے رجحانات کو پرکھا جا سکتا ہے۔ ولی نے بھی دکنی زبان و ادب کی روایت کا دہلی کے شعری مزاج کی ساتھ تقابلی جائزہ کرتے ہوئے بصیرت اور بصارت کو بروئے کار لائے اور نیا رجحان اپنا کر اردو کی تاریخ ادب میں نئی روایت کا نقشِ اول بنے۔ ولی نہ صرف شعری روایت میں جدید روایت کے نقشِ اول ہیں بلکہ منظوم سفر نامے کی روایت بھی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک ولی کے منظوم سفر نامے "سورت" کا ذکر نہ کیا جائے ولی کے اس قیمتی اثاثے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا انھوں نے اس نظم کے سنتالیس اشعار سفر نامے کی شرائط کے ساتھ تخلیق کیے۔ سفر نامہ لکھنے کی پہلی شرط سفر ہے جو انھوں نے کیا۔ سفر نامے کے لیے مشاہداتی بصیرت اور منظر نگاری کے علاوہ واقعات کا تسلسل ہے مثنوی "سورت" میں سفر نامے کے تمام خصائص موجود ہیں۔

حوالہ جات

1. سید محی الدین زور، دکنی ادب کی تاریخ، مطبع آفسیٹ دہلی، 1983ء، ص۔35
2. جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب کراچی، 2016ء، ص۔31-530
3. نورالحسن ہاشمی، مرتبہ کلیات ولی، اترپردیش اردو اکادمی، 1988ء، ص۔378
4. اعجاز حسین، مختصر تاریخ ادب اردو، اردو کتاب گھر دہلی، 1964ء، ص۔41
5. نورالحسن ہاشمی، مرتبہ کلیات ولی، اترپردیش اردو اکادمی، 1988ء، ص۔378
6. نورالحسن ہاشمی، مرتبہ کلیات ولی، اترپردیش اردو اکادمی، 1988ء، ص۔378
7. نورالحسن ہاشمی، مرتبہ کلیات ولی، اترپردیش اردو اکادمی، 1988ء، ص۔378
8. نورالحسن ہاشمی، مرتبہ کلیات ولی، اترپردیش اردو اکادمی، 1988ء، ص۔380
9. جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب کراچی، جلد اول، طبع نہم، 2016ء ص۔531
10. گوپی چند نارنگ، ولی دکنی تصوف، انسانیت اور محبت کا شاعر، آر کے آرنسٹ پراسس دہلی، 1995ء، ص۔41